ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

ماخذ تحقیقی مجلہ

OPEN ACCESS

CC BY NC

حلیمہ بی بی قریشی
وزٹنگ فیکلٹی، شعبہ اردو زبان و ادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی۔
ڈاکٹر اقلیمہ ناز
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو زبان و ادب، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی ۔
نیل زہرا
لیکچرار، شعبہ اردو، قراقرم انٹرنیشنل یونیورسٹی، گلگت بلتستان۔

محمد حمید شاہد کے افسانوی مجموعے "جنم جہنم" کی متنوع جہات کا تنقیدی جائزہ

Haleema Bibi Qureshi*
Visiting Faculty, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.
Dr.Aqlima Naz
Assistant Professor, Department of Urdu Zuban-O-Adab, Fatima Jinnah Women University, Rawalpindi.
Neel Zahra
Lecturer, Department of Urdu, Karakoram International University Gilgit-Baltistan

Corresponding Author: aqlimanaz@fjwu.edu.pk

A Critical Review of the Diverse Aspects of Muhammad Hameed Shahid's Collection of Short Stories "Janam Jahannam"

Abstract
Mohammad Hameed Shahid's "Janam Jahanam" is a collection of short stories that delves deeply into the complexities of human life, examining the tensions between modernity and tradition, the rural and urban, as well as the spiritual and the material. The author's narrative techniques are marked by a unique variety, as he blends abstract and symbolic elements with absurd and surreal situations to reflect on existential dilemmas. Most of his characters, notably

unnamed, serve as representations of broader societal concerns rather than individual personalities. This anonymity underscores the universality of the themes Shahid addresses, allowing readers to see beyond the specific to the philosophical and existential questions that define human experience. The stories within "Janam Jahanam" engage with a wide range of issues, including religious dogma, linguistic identity, and the complexities of social structures. The exploration of these topics is interwoven with critiques of superstitions, the dissonance between village and modern life, and the pervasive influence of pehlwani (traditional wrestling) as a cultural symbol of strength, masculinity, and social status. Through these various motifs, Shahid captures the contradictions of an era that is both anchored in tradition and constantly shifting toward modernity. Shahid's use of philosophical discourse is central to the collection, often presenting characters in states of turmoil, grappling with questions of identity, existence, and morality. The tension between rationality and superstition runs throughout the stories, as characters try to make sense of a world that is increasingly fragmented and difficult to comprehend. The stories are peppered with allegorical and symbolic references, such as the recurring theme of wrestling, which not only serves as a literal sport but also as a metaphor for the struggle between different societal forces.

Key Words: *Mohammad Hameed Shahid, Janam Jahanam, Pehlwani, Superstition, Existentialism, Absurdism, Social Critique, Superstition.*

محمد حمید شاہد معروف ناول نگار، نامور افسانہ نگار، با شعور نقاد، متحرک محقق اور حساس تخلیق کار ہیں۔ ان کا تعلق کسی ادبی گھرانے سے نہیں تھا۔ لیکن ان کے آبائی علاقے میں بقول اظہار الحق جو ادبی ذوق موجود تھا وہ ماؤں کی اس شیریں گفتار سے عیاں تھا جب وہ اپنے پیاروں کی آمد کو بہار کی آمد سے تشبیہ دیتی تھیں تو یہ امر قرین قیاس تھا کہ حمید شاہد بھی اس خمیر کی خوش بو سے فضائے ادب کو معطر کر دیں۔ چونکہ لفظوں کی رتھ پر سوار ہو کر خیال معنی کی منزل تک پہنچتا ہے اس لیے ان تینوں کے رشتے پر شاہد حمید یوں لب کشا ہوتے ہیں۔

" میں نے لفظ کو ایک زندہ اور مہذب انسانی وجود کی طرح جانا ہے مجھے اپنی بات کے الجھنے کا خدشہ ہو چلا ہے لہذا وضاحت کرنے کے لیے مجھے اوپر تلے تین لکیریں کھینچ لینے دیجئے سب سے اوپر والی لکیر کو میں روح کا نام دیتا ہوں سب سے نیچے والی کو نفس اور وسطی لکیر پر میں

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

نے جسم لکھ لیا ہے ان تینوں لکیروں کو قوسین میں رکھ کر مساوی کا نشان ڈالتے ہوئے سامنے لکھتا ہوں لفظ ۔جی ہاں ان تینوں کا مجموعہ آدمی بھی ہے اور ان تینوں کا حاصل جمع لفظ بھی "(۱)

فیصل آباد سے بستانیت میں ڈگری لے کر بینکاری میں تین سے زیادہ دہائیاں صرف کرنے والے ،اپنے والد غلام محمد پسر حافظ غلام نبی سکنہ پنڈی گھیب، ضلع اٹک، پنجاب، پاکستان کی لائبریری سے استفادہ کرتے کرتے کتنی لائبریریوں کو اپنی متنوع الجہات تخلیقات سے مزین کر چکے ہیں اور ہنوز تازہ دم ہیں۔ ناقدین کے بقول ایک ایک جملہ جو ان کے قلم سے نکلتا ہے۔ لکھاری کی ساری ذہنی توانائیاں لے جاتا ہے لیکن وہ ابھی تک تازہ دم لکھنے میں مصروف ہیں۔ اپنے لکھنے کے تجربے کے بارے میں کہتے ہیں۔

> " گزشتہ ربع صدی میں پہنچ کر تخلیق کار نے مجرد روایت پرستی سے بھی منہ موڑا ہے اور نعرے بازی کو بھی جھنڈی دکھائی ہے۔ اس سب سے بڑھ کر اس نے یہ کیا ہے کہ خارج میں کسی گروہ کی چلائی ہوئی نام نہاد تحریک کی بجائے اصلی تخلیقی اسرار کے محرکات سے وابستہ رہنے کو ترجیح دی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جدید تر تخلیق کاروں کی تخلیقات سے نہ تو کافور کے بلے اٹھتے ہیں اور نہ ہی ان کے حلقوم سے نعرے نکل کر حلکم ڈالتے ہیں ۔ آج کی تخلیقات نہ تو کسی خاص نظریے کی باج گزار ہیں اور نہ مسلط افکار کی پرچارک۔ لمحہ لمحہ اپنی تجدید کرتے اسرار سے وابستہ رہنے کا ادراک آج کی تخلیقات میں روح بن کر دوڑنے لگا ہے جس کے سبب وہ ماقبل کے ادبی متون سے یکسر مختلف ہو گئی ہے۔ "(۲)

محمد حمید شاہد کا دوسرا افسانوی مجموعہ " جنم جہنم " ۱۹۹۸ء میں اے آر پرنٹرز کی وساطت سے منظر عام پر آیا جس کے دیباچہ میں پروفیسر فتح محمد ملک لکھتے ہیں۔

> "محمد حمید شاہد کے افسانوں کے دوسرے مجموعہ "جنم جہنم' میں خارجی حقیقت نگاری اور باطنی صداقت پسندی کے یہ دو اسالیب باہم دگر آمیز ہونے لگتے ہیں۔ "(۳)

"کہانی بڑی چلتر ہے۔" میں مصنف حسن عسکری کی اس بات پر من وعن عمل کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ افسانہ اپنی تکنیک میں متنوع ہوتا ہے ۔پانچ صفحات پر مشتمل پر مغز اور مدلل انداز میں نئی تکنیک یعنی نثری نظم کے انداز میں جنم جہنم کی تخلیق کے جواز پر روشنی ڈالتے ہیں اور ادبی تخلیق کے مراحل کے بارے میں لکھتے ہیں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

"تخلیق کے محرکات خارج سے کہیں زیادہ داخل میں چھپے ہوتے ہیں کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے کہ خارج کا کوئی سانحہ محرک بنا ہے مگر درحقیقت باطن کے اندر یہ خواہش پہلے سے موجود ہوتی ہے کہ باہر کا حادثہ محرک بن جائے۔ گویا کہانی اپنا سرا پھر بھی اندر سے پکڑتی ہے۔یوں اندر کا سچ ہی کہانی کو ایک نئی معنویت دیتا ہے۔"(۴)

اس مجموعے میں گیارہ افسانے شامل ہیں۔ "تماش بین'،"ماخوذ تاثر کی کہانی"،"پارو"،" منجھلی"،"نرمل نیر"،"گرفت"،"ہارجیت"،"جنم جہنم"،"دوسرا آدمی"،"نئی الیکٹرا"،"واپسی"

"تماش بین" ایک ایسے مرد کی کہانی ہے جو عورت کے وجود کو محض تماشا سمجھتے ہیں۔ تماش بین ایک دل دہلا دینے والا افسانہ ہے۔ کہانی کچھ یوں ہے کہ تماش بین بینک میں ملازمت کرتا ہے۔ شاہ نواز نامی شخص بہادری سے اس بینک کو ڈکیتی سے بچانے کے لیے جان کی بازی ہار جاتا ہے۔ بعد ازاں شاہنواز کی بیوہ بشریٰ چیک وصول کرنے آتی ہے، تماش بین اس کا پاؤں سے سر تک جائزہ لیتا ہے اور جیفرے آرچر کی ہیروئن ایمینڈا کرزن کو ذہن میں رکھ کر موازنہ کرنے کی تیاری کرتا ہے۔ مزید نظارے کی ہوس میں اس کو پھر آنے کا کہتا ہے۔ یہاں مصنف کی سراپا نگاری میں مہارت ایک عام عورت کو خاص بنا دیتی ہے۔

"میں نے آنکھوں میں جھانکا بظاہر آنکھیں کالی تھیں۔ مگر بغور دیکھنے پر بھورا رنگ غالب آنے لگتا تھا۔ پلکیں اٹھا کر جب وہ اوپر دیکھتی تھی۔ تو کوئی بھی دل والا ان میں ڈوب سکتا تھا۔ چہرہ نہ گول نہ ہی لمبوترا بھرا بھرا، سانولا مگر شفاف۔ منہ کا دہانہ چھوٹا تھا ہونٹوں پر عموداً نفاست سے بنی لکیریں یوں جیسے پیمانہ رکھ کر کھینچی گئی ہوں۔ وہ بات ٹھہر ٹھہر کر کرتی تھی ایسے کہ سیدھی دل میں جا اترتی۔ یہ تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ بشریٰ جیسی لڑکی کے لیے کچھ ناراضیاں مول لی جا سکتی تھیں۔"(۵)

مقررہ دن وہ شکیلہ نامی لڑکی کے ساتھ تفریح میں بھول گیا کہ بشریٰ نے چیک لینے آنا تھا اور دیر ہونے کے سبب اس کی بس نکل گئی اور وہ شہر میں لٹ گئی۔ اور جیفرے آرچر کی ہیروئن ایمینڈا کرزن آخری بازی جیت گئی لیکن اس کے ساتھ موازنے سے گزرنے والی بشریٰ آخری بازی ہار گئی۔ اس افسانے میں وحدت تاثر کے بھرپور التزام کے ساتھ جزئیات نگاری، سراپا نگاری اور عصری صورتحال کی عکاسی کے لیے سہل اور رواں طرز کو اپناتے ہوئے پر تاثر لفظیات کا سہارا لیا گیا ہے اور قاری اس افسانے کی فضا میں یوں گرفتار ہوتا ہے کہ نکل نہیں پاتا۔ تماش

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

بین میں مصنف نے اپنے دفتری واقعات کو جس طرح فنی تجربے میں ڈھالا ہے۔ وہ اس کی مہارت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ افسانے کے بیان اور قاری کے ذہن پر گرفت ہے۔ دونوں پہلوؤں کے حوالے سے تماش بین ایک کامیاب کہانی ہے۔

"ماخود تاثر کی کہانی" میں مصنف نے بیوی کے احساسات وخدشات کو اس کی زبان سے بیان کیا ہے۔ پچھلے افسانے "تماش بین" میں کہانی بیان کرنے والا مرد تھا۔ جبکہ اس افسانے "ماخود تاثر کی کہانی" میں عورت کی زبانی اس کی کہانی بیان کی گئی ہے لیکن مصنف نے عرق ریزی سے دونوں کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ اس افسانے میں مصنف کی بیوی کا کردار ہے جو جانوروں کی کہانیاں پڑھنے سے ہچکچاتی ہے کیونکہ اس کے اندر بچپن سے ایک شکاری کی ڈائری میں لکھی گئی انسانوں کو نگلنے والے درندے کی کہانی پڑھ کر ایک خوف سا جاگزیں ہو گیا تھا۔ اس کا شوہر جانوروں کی کہانیاں لکھتا ہے لیکن وہ پڑھ نہیں پاتی۔ جب شوہر اس سے استفسار کرتا ہے تو وہ اس کو مطمئن کرنے کے لیے جو جملے ادا کرتی ہے وہ قاری اساس تنقید پر پورا اترتا ہے۔ گوپی چند نارنگ کے مطابق

> "قاری اساس تنقید میں قاری کی اہمیت پر جو زور دیا جارہا ہے، اس کا سیدھا وار متن کی خود مختارانہ اور خود کفیل حیثیت پر ہے جس پر نئی تنقید کا دارومدار تھا۔ قاری اساس تنقید کی کہانی دراصل متن کی خود کفالت کے تصور کے کمزور پڑنے کی کہانی ہے۔"(۲)

قاری اساس تنقید کا نظریہ امریکہ اور جرمنی میں ۱۹۶۰-۱۹۷۰ میں منظر عام پر آیا ہے جس کے تحت قاری متن کو پڑھتے ہوئے جو ردعمل دیتا ہے اس کو توجہ ملنی چاہیے، پس ساختیات بھی قارئین کے کردار کی بات کرتے ہیں۔ لیکن نئی تنقید کے حامی متن کی معروضیت کے قائل تھے کہ متن سب کچھ ہے، قاری کو معنی ڈھونڈنے ہیں تو متن کو بغور پڑھنا ہوگا۔ جبکہ قاری اساس تنقید کے مطابق متن اس وقت بے معنی ہے جب تک قاری اس کو پڑھ کر اس کی ترجمانی نہیں کرتا۔ قاری نہ ہو تو تخلیق بے معنی ہے۔

> "یوں سمجھیے کہ متن بارود کی ٹکیہ ہے، قرأت کا عمل فتیلہ دکھاتا ہے جو اشتعالک پیدا کرتا ہے اور یوں وہ پھلجڑی روشن ہوتی ہے جس کو معنی کا چراغاں کہتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ بارود کی طرح چراغاں کے بعد متن غائب نہیں ہوتا بلکہ جوں کا توں موجود رہتا ہے، اور ہر آنے والی قرأت قاری کے ذوق وظرف کے مطابق از سرنو معنی کا چراغاں پیدا کرتی ہے اور یہ

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

عمل لامتناہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قرأت معنی کو موجود بناتی ہے یا اس سے بڑھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ متن، بجائے خود نامکمل ہے، قرات اسے مکمل بناتی ہے۔"(۷)

شوہر بھی کہانی لکھ کر قاری کی تلاش میں اپنی بیوی تک پہنچتا ہے۔ یہاں حمید شاہد اپنے نظریے کو بیوی کے نقطہ نظر سے پیش کر رہے ہیں۔ چونکہ قاری اساس تنقید نئی تنقید کے جواب میں سامنے آئی۔ اس لیے نئی تنقید (جو متن پر توجہ مرکوز رکھتی ہے اور اس معنی و مفہوم میں خود کفیل سمجھتی ہے) کے برعکس قاری اساس تنقید، متن کی معروضیت سے صرف نگاہ کرتے ہوئے قاری اور متن کے درمیان معنی و مفاہیم اخذ کرنے کے لیے لین دین پر توجہ مرکوز کرتی ہے۔ اگرچہ رولاں بارتھ مصنف کی موت کا نعرہ لگاتا ہے لیکن حمید شاہد، ایک معتدل رویہ اپناتے ہوئے قاری اور متن کے درمیان ٹرانزیکشن کے قائل ہیں۔ ان کے مطابق جب قاری کسی متن پر ردعمل کا اظہار کرتا ہے تو اس کے پس پردہ تاریخی، ثقافتی اور سماجی سیاق وسباق اس کے اس ردعمل کا تعین کرنے والے قوت محرکہ بنتے ہیں۔ مکالمہ نگاری میں بطورِ خاص انھوں نے اس نظریے کو فروغ دیا ہے جو سٹینلے فش Stanley Fish، لوئیس روزن بلاٹ Louise Rosenblatt، نارمن ہالینڈ Norman Holland، ڈیوڈ بلیچ David Bleich، وولف گینگ آئزر Wolf Gang Iser نے پیش کیا تھا کہ مصنف کا موقف نہیں بلکہ قاری کا ردعمل اہم ہے یہی نکتہ ارسطو نے بھی کتھارسس میں پیش کیا تھا۔ لوئیس ٹائی سن Prof Lois Tyson نے Reader Response Theory کو پانچ حصوں میں تفصیل سے بیان کر کے متن اور قاری کے انسلاکات پر روشنی ڈالی ہے۔

شاہد حمید نے بیوی اور شوہر کے درمیان بہت جاندار مکالمہ رقم کیا ہے جس میں بیوی کی گفتگو غماز ہے کہ وہ ادب شناس ہے اور موقع محل کے مطابق گفتگو کرنے کا ملکہ رکھتی ہے لیکن ایک ایسے معاشرے کی ڈسی ہوئی ہے جہاں عورت اور کتیا بچے جننے اور دہلیز پر پڑے رہنے کے لیے تخلیق کی گئی ہیں۔ وہ اپنے لاشعور میں دبے خوف کے تحت کتابیں نہیں پڑھتی لیکن اپنا نفسیاتی ردعمل اپنی گفتگو سے ظاہر کرتی ہے۔

"وہ مجھے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب بھی نئی کہانی لکھتا ہے، میرے سامنے لا رکھتا ہے۔ میں خوفزدہ ہو کر اسے پرے دھکیل دیتی ہوں... اور وہ مشتعل ہو جاتا ہے۔

جب میں اُس کی بات نہیں مانتی یا پھر اس کی بات کاٹ دیتی۔ دیتی ہوں..... تو وہ مشتعل ہو جایا کرتا ہے۔

میں مزید خوفزدہ ہو جاتی ہوں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

ایسے میں جھوٹ بولتی ہوں.. کہ میں نے اُس کی کہانی پڑھ لی ہے۔
وہ خوش ہو کر پوچھتا ہے۔
بتاؤ کیسی لگی؟"
میں جھوٹ موٹ تعریف کرتی ہوں اور روایتی سے جملے بول دیتی ہوں۔ وہ اور زیادہ خوش ہوتا ہے اور اپنی کہانی کے ایک ایک نکتے کو کھول کھول کر بیان کرنے لگتا ہے۔
جب وہ ایسا کر رہا ہوتا ہے تو اُس کے نتھنے گرم سانسوں سے بھر جاتے ہیں اور جبڑے اس قدر سرعت سے اوپر نیچے حرکت کرتے ہیں کہ میں خوفزدہ ہو جاتی ہوں اور وہاں سے اٹھ جانا چاہتی ہوں۔
جب وہ اپنی بات کو نامکمل چھوٹتا دیکھتا ہے تو طیش میں آجاتا ہے۔
میں ایک مرتبہ پھر دروغ گوئی کا سہارا لیتی ہوں اور کہتی ہوں۔
میں وہ ساری باتیں سمجھ گئی ہوں جو تم نے کہانی میں بیان کی ہیں۔
ساری باتیں... جو علامت اور استعارے کی زبان میں بیان ہوئی ہیں وہ بھی؟"
وہ سوال کرتا ہے۔
ہاں۔ وہ سب بھی... اور وہ بھی جو تم نے بیان نہیں کیں مگر کہانی میں موجود ہیں۔"
میرا یہ جواب سن کر وہ تحسین بھری نظروں سے مجھے دیکھتا ہے۔
اس خوف سے کہ مبادا وہ میرا جھوٹ پکڑ نہ لے میں اسے مزید کہتی ہوں
دیکھو کہانی اپنے ہر قاری پر ایک الگ مفہوم کھولتی ہے کہانی لکھتے وقت جو خیال محرک بنا اسے بیان کر کے تم کہانی محدود کیوں کرتے ہو۔"[۸]

"ماخوذ تاثر کی کہانی" میں افسانہ نگار نے کمال مہارت اور فنکاری سے اپنے دور کی کہانی بھی پیش کی ہے اور اپنے نکتہ نظر کو بھی واضح کیا ہے۔ کہ آج کی کہانی علامت اور استعارے کی زبان میں لاشعور میں دبے خوف اور نارسائیوں کی پیچیدگیوں کو بھی بیان کرتی ہے۔ ایسی کہانی میں قاری کو بعض اوقات گیپ بھی پر کرنے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات اسے وہ شے بھی سمجھنی ہوتی ہے جسے افسانہ نگار نے بیان نہیں کیا۔ اس طرح کی نئی کہانی قاری پر یہ الگ ہی مفہوم کھولتی ہے کہ تخلیق کار خود پرستی کا شکار ہو کر اذیت پسند ہو جاتا ہے۔ اور وہ اپنے حلقہ اثر میں صرف

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

توصیف کا خواہاں ہوتا ہے۔ اگر وہ کسی خاص طبقے کا اثر قبول کر لیتا ہے تو بے ساختگی، آفاقیت اور قدرتی کیفیت سے دور ہو جاتا ہے جبکہ بسا اوقات مصنف جو لکھتا ہے اس کا کردار انھی کرداروں کا روپ دھار لیتا ہے اور یہ عمل اس کو ہوش و خرد سے محروم کر کے بے اختیار کر دیتا ہے اور جانوروں کی کہانی لکھنے کے دوران خود بھی درندہ بن کر بیوی کو بھنبھوڑتا ہے۔ یعنی ادب معاشرے کو ہی نہیں بلکہ تخلیق کار کو بھی متاثر کرتا اور ادب معاشرے کا عکاس بنتا ہے اور اسی طرح ادب ادیب کو بھی معاشرے کے ایک فرد کی طرح متاثر کرتا ہے اس اثر ڈالنے اور قبول کرنے کے دوران معاشرہ اور ادیب دونوں ہی تبدیل ہوتے ہیں۔ افسانے کا اختتام محبت کی جیت پر مبنی ہے جب بیوی اپنے شوہر کے سارے مردہ علم کو نذرِ آتش کر دیتی ہے۔ اور اس بات کی توثیق کرتی ہے کہ محبت کا آبِ حیات ہی لمبی تھوتھنی والی مخلوق کو آدمی کی جون میں واپس لا سکتا ہے۔ یہ افسانہ مصنف کے وسیع اور عمیق عالمی ادبی مطالعے کا غماز ہے۔

افسانہ "پارو اور سماجی جبر" میں کردار فرار کے راستے تلاش کرتے دکھائے گئے ہیں۔ پارو کا شوہر گھبرو جوان اور پہلوان ہے لیکن اولاد نہ ہونے کی ذمہ داری اس کی اپنی مردانہ کمزوری ہے جب کہ گاؤں والے پارو کو بانجھ سمجھتے ہیں۔ پارو جو اپنے شوہر کی نامردی کا پردہ رکھنے کے لیے پہلے ہسٹیریا میں مبتلا ہوئی اس کے بعد اس کو چپ نے آلیا "دل جکڑ لینے والی چپ" اب اس پر دورے نہیں پڑتے۔ ولایت خان نے اپنے جثے کو بنانے اور اپنے بیلوں کو توانا رکھنے کے لیے کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ پارو سے بیاہ بھی اس نے اپنے دوستوں پر یہ ثابت کرنے کے لیے کیا کہ اسے مرد تسلیم کیا جائے۔ وہ نیا بیل لے آیا جس کا نام چت کبرا تھا۔ اور فضلو کی گائے اور چت کبڑے کے ملاپ سے بچھڑا ہوا تو فضلو مہینے بھر اس کے گھر دودھ بھیجتا رہا۔ اسی دودھ کی لسی بلوتے ہوئے پارو کو دورہ ہوا جس کو جنات کی کارستانی سمجھتے ہوئے تعویذ گنڈوں اور چلّوں سے مدد لی گئی لیکن معاملہ جوں کا توں رہا۔

اس کے بعد گاؤں کے لوگ اپنی گائیں چت کبڑے کے پاس لانے لگے اور ہر نئے بچھڑے کی آمد سے دورے شدید ہوتے گئے۔ ایک دن پارو پر دورہ پڑا اس کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ گیلی مدھانی کو کسی بچے کی طرح سہلا رہی تھی۔ تب ولایت خان نے بیل کھولا اور ہسپتال سے اس کے فوطے نکلوا لایا۔ واپسی پر پارو نے ہونٹوں سے آخری چیخ ادا ہوئی۔ اور اس کے دورے ختم ہو گئے کیونکہ گاؤں والوں کا ماننا تھا کہ اس کے جن جاتے ہوئے اس کے سارے لفظ اپنے ساتھ لے گئے۔

یہ دیہی معاشرت کی عکاسی کرنے والا افسانہ سماجی جبر کی مکمل مثال ہے۔ جس میں مرد کی اصل کمزوری اس کے مصنوعی شان و شوکت کے حامل جثے نے چھپا رکھی ہے اور اپنی ذات کے بنجر پن (جس کا سبب اس کا

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

خاوند ہے) کی اصل وجہ چھپاتے ہوئے کبھی دورے میں پناہ لینے والی اور کبھی چپ ساد ھنے والی عورت اپنی زبان بند رکھنے پر مجبور ہے۔ لوگ ظاہری حالت تو دیکھ لیتے ہیں، باطن کا دکھ کوئی نہیں سہہ سکتا۔ پارو، فضلو اور ولایت خان ایک ہی کہانی کے یہ تکونی زاویے راسخ اور مضبوط شناخت کے کردار ہیں۔ اس افسانے میں چت کبرے کی علامت بڑی مضبوط ہے جو ولایت خان کے کردار کی نفسیاتی سطح پر غمازی کرتی ہے۔

"بیلوں کی جوڑی کے ساتھ بھی وہ خوب تھکتا تھا، انہیں نہلاتا خوب رگڑ کر اُن کا بدن صاف کرتا، سینگوں اور کھروں پر تیل لگاتا خود چارہ کاٹ کر لاتا کترا بناتا ونڈا بھگوتا ونڈے اور کترے کو اچھی طرح صاف کئے ہوئے بھوسے میں ملا کر گتاوا بناتا اور کھرلی تک خود بیلوں کو کھول کر لاتا اور جب دونوں بیل مزے مزے سے گتاوا کھانے لگتے تو اسے چین آتا۔"(۹)

احمد ندیم قاسمی نے حمید شاہد کے افسانوں کو لمحہ رواں کی معاشرتی، ثقافتی اور تہذیبی زندگی کی تاریخ قرار دیا۔ اور یہ افسانہ ہو بہو اس تعریف پر پورا اترتا ہے۔۔ مصنف نے اس افسانے کے ماحول کے مطابق ہی لفظیات کا تانا بانا بنا ہے۔

"جب وہ آنگن میں چت کبڑے کو باندھ رہا تھا تو دھیرے دھیرے یہ بھی بڑبڑا رہا تھا کہ جب اساڑھ آئے گا اور بھڑولے بھر جائیں گے تو تجھ جیسا ایک اور ضرور لاؤں گا"(۱۰)

پُت، ونڈا گتاوا اور کھرلی، کبڑی اکھاڑا ڈنٹر پیلنا، نواں نکور، شینہ جوان، مٹی چاٹنا، چت کبڑا، دیہی معیشت کی عکاسی کرنے کے لیے حسب حال اور موزوں ذخیرہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

"مگر فضلو کہہ رہا تھا۔ دیکھ پت ولائت میری گائے اعلیٰ نسل کی ہے۔ دریا پار سے لایا تھا تو بوری نوٹوں کی اُٹھ گئی تھی۔ دودھ یوں دیتی ہے کہ بالٹیاں کناروں تک چھلکنے لگتی ہیں۔ سچ جانو تو میں اس کی کھیری بھی دیکھتے ہوئے جھجھکتا ہوں کہ کہیں نظر نہ لگ جائے۔ اور ماشاء اللہ تمہارا بیل دیکھنے میں جس قدر بھلا اور صحتمند لگتا ہے یقیناً اس سے نسل بھی اچھی چلے گی۔"(۱۱)

"منجھلی" ایک ایسا افسانہ ہے جس میں موضوع کا نیا پن ملتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ اس نظریہ کی بھی توثیق کرتا ہے کہ متن کی صحیح تفہیم کی جائے تو مصنف کی ذات کے بہت سے پہلو عیاں ہو جاتے ہیں۔ مصنف نے

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

پہلی بار ایک ایسے موضوع سے اردو افسانے کو متعارف کروایا ہے جو معاشرے میں موجود تو نہ جانے کب سے تھا۔ لیکن کسی کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔ اس افسانے میں پتھر کو پگھلا دینے والی صلاحیت موجود ہے۔ بچے اور پاکیزہ جذبوں کا ترجمان یہ افسانہ اپنے اندر خاصی وسعت رکھتا ہے۔ افسانے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ باپ اپنی شیر خوار بچی اپنے بے اولاد بھائی سے والہانہ محبت کے اظہار میں اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ لیکن حمید شاہد نے چند لفظوں پر مشتمل طویل مکالمے کو جو ان کا خاص طرزِ اظہار ہے اثر آفرینی سے وہ سوز عطا کر دیا ہے کہ باپ اور ماں اور منجھلی، بھابی اور، دادی کے آنسو پھندا بن کر قاری کے گلے میں اٹکنے لگتے ہیں۔ ایثار و قربانی دینے کے جاں گسل مرحلے کی لفظوں میں منظر کشی اپنی مثال آپ ہے۔

حمید شاہد کو کرداروں کو نام سے مخاطب کرنا پسند نہیں وہ ان کو رشتوں سے اور راوی کے بیان سے متعارف کرواتے ہیں اور قاری کو اس معاملے میں کھلی چھٹی ہے کہ ان کرداروں کے چہروں کے ساتھ اپنی پسند کے نام جوڑ لے، انھیں نام سے زیادہ کرداروں کے جذبات، احساسات، حسرتیں، وسوسے، خدشات، امنگیں اور خواب سراب دکھا کر ٹکتی ملتی ہے۔ "تماش بین" میں راوی بے نام ہے اپنے پیشے اور نفسیات سے پہچانا جاتا ہے۔ "ماخوذ تاثر کی کہانی" میں تخلیق کار، مجذوب اور قاری (بیوی) بے نام ہیں۔ ان کے متعدد کردار اپنے افعال، پیشوں اور نفسیات سے پہچانے جاتے ہیں۔

انھی مکالموں میں شوہر کو مختارِ کل دکھایا گیا ہے جو اپنی نومولود شیر خوار بچی کو بے اولاد بھائی کی محرومی اور بے بسی دیکھتے ہوئے ان کے حوالے کر دیتا ہے۔ بیوی بچی کی جدائی پر صبر کر لیتی ہے لیکن اس کے مستقل رونے پر لب کشا کرتی ہے تو یہاں بھی اس کو ڈانت کر چپ کرا دیا جاتا ہے۔ ایک حساس مرد ہونے کے باوجود شوہر، بیوی سے اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے اس کی مرضی تو درکنار اس سے مشورہ تک نہیں لیتا۔ یہ بھی مردوں کا سماج ہے جس میں فیصلوں کا اختیار صرف مردوں کے پاس ہے۔ یہ منظر کشی قاری کے لیے بھی اعصاب شکن ہے۔ وحدت تاثر، مضبوط و مربوط پلاٹ اور چھوٹے چھوٹے اہم واقعات کے ملاپ سے یہ افسانہ ایک دلگداز فن پارے میں ڈھل گیا ہے۔ گڑیا کے رونے پر تکرار یہ جملے باپ کی بے قراری کے غماز ہیں جو مرد ہونے کی وجہ سے آنسو نہیں بہا سکتا اور اپنے کڑے فیصلوں کا بوجھ بھی خود ہی اٹھاتا ہے۔

"وہ ان سے چپ نہیں ہو گی"

ہو جائے گی۔"

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

وہ چپ ہو گئی، مگر گڑیا روتی رہی.... حتیٰ کہ میں بے قراری سے کمرے میں ٹہلنا شروع ہو گیا۔

"وہ چپ نہیں ہو گی"

اس نے دہرایا، تشویش میرے لبوں تک آگئی۔

"ہاں شاید "

اس نے میری تشویش سے حوصلہ پکڑا اور واضح بے قراری سے بولی۔

وہ اسے چپ نہیں کرا سکیں گے۔"

میں چڑ گیا۔

ارے بابا امی ہیں نا!"

وہ میرے لہجے کی پرواکئے بغیر بولتی چلی گئی۔

امی ہیں تو۔۔۔ مگر۔۔۔"

میں تقریباً" چیخ پڑا۔

مگر کیا؟"

میرے لہجے کی کاٹ دیکھ کر اب کے وہ چپ ہو گئی۔

گڑیا کے رونے کی آواز آتی رہی۔

مجھے بھی یقین ہو گیا اب وہ اُن سے چپ نہیں ہو گی۔ میں نے اُسے دیکھا وہ اب کچھ بھی نہیں کہہ رہی تھی مگر اُس کی آنکھیں جل تھل تھیں۔

مجھے اپنے لہجے پر افسوس ہونے لگا۔"[۱۲]

منجھلی لے پالک بچوں کی نفسیات سے مربوط موثر کہانی ہے۔ ان بچوں کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ، خاندانی اور سماجی مسئلہ ہے۔ یہ بچے جہاں ایک خاندان کی محرومی دور کرتے ہیں۔ وہاں اپنے اصل والدین کی دائمی بے چینی کا سبب بھی بنتے ہیں۔

"اور اب جبکہ میرے اندر بھیگی آنکھوں کی فصل اگ آئی ہے۔ سوچتا ہوں، میں نے اپنا فیصلہ بدل کیوں نہ دیا تھا۔۔۔"[۱۳]

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

ماخذ تحقیقی مجلہ

یہی نہیں بلکہ ان بچوں کی اپنی نفسیاتی زندگی بھی انتشار اور داخلی خلفشار کا شکار رہتی ہے۔ نئی جگہ ان کے لئے خواہ کتنی بھی پر سکون ہو انہیں ہر دم یہی احساس ستاتا ہے کہ وہ غیر محفوظ ہیں اور یہ احساس ان کی آئندہ زندگی پر منفی اثرات چھوڑتا ہے۔ منجھلی کو بھائی اور بھابھی کے سپرد کر دینے کے بعد باپ کا یہ دیرپا تاثر مسئلے کی سنگینی کو واضح کرتا ہے۔ اور منجھلی کا قبل از وقت سمجھدار اور حساس ہو کر اپنی مجبوری اور دوسروں کی محرومیوں کو سمجھنا بھی دل پذیر پہلو ہے۔

> "میری بڑی بچی سیانی ہو گئی ہے۔۔۔ اتنی سیانی کہ منجھلی کو بتا سکے، اصل میں تم ہماری بہن ہو۔" گڑیا بھی اس کی پڑھائی ہوئی پٹی پڑھنے لگی ہے۔ "جب تم ہماری بہن ہو تو ہمارے پاس رہتی کیوں نہیں ہو؟
> منجھلی کہتی ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ ہم بہنیں ہیں۔ میرا دل کرتا ہے میں تم دونوں کے پاس رہوں مگر دیکھونا! امی ابو کی اپنی اولاد نہیں ہے نا... پھر اُن کے پاس کون رہے گا..۔ وہ کسے بیٹی بنائیں گے اور کسے اتنا ڈھیر سارا پیار کریں گے۔"(۱۴)

اس ادراک سے ماں اور بھابی دونوں کا دوپٹوں سے اپنی بھیگی پلکیں صاف کرنا اس سوال کو بھی جنم دیتا ہے کہ جب اس فیصلے سے سب ملول اور دل گرفتہ ہیں تو کیا یہ فیصلہ لینا چاہیے تھا؟

"نرمل نیر" ایک ایسا افسانہ ہے جس کی نثمیہ انداز میں لکھی گئی نثر فرہنگ کی اور نئی شرح کی متقاضی ہے ۔ مصنف صرف ایک افسانہ نگار ہی نہیں صاحب طرز شاعر بھی ہیں۔ اور ان کا نام نثم کے طور پر اپنانے کی حمایت بھی کرتے ہیں۔

> "محمد حمید شاہد نے اپنی نثری نظموں کا نام "نثم" کے طور پر اپنا لینے کی حمایت کی اس کے لیے ایک لغت بھی مرتب کی۔ علاوہ ازیں ان کی اپنی نثموں کا مجموعہ لمحوں کا لمس ۱۹۹۵ء القلم ' اسلام آباد بھی شائع ہو چکا ہے۔"(۱۵)

افسانہ "نرمل نیر" کا واحد علامتی کردار جو شاید ساری انسانیت کے تخلیق و فنا کے درمیانی مراحل قربت، عیش، محرومی، افسوس اور فنا کی کہانی کا احاطہ کرتا ہے اس کی کوئی پہچان نہیں بتائی گئی کہ وہ اپسرا ہے یا جل پری ہے یا کوئی تخیلی یا ارضی یا سماوی مخلوق ہے۔ اس میں اساطیری فضا کا اسرار، دیومالائی ماحول، فلسفے اور نفسیاتی موشگافیوں کے ساتھ آمیخت ہے۔ عام قارئین کے اس کے رومان پرور شاعرانہ ترفع کا سمجھنا آسان نہیں۔ یہ افسانہ نثم کے انداز

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

میں لکھا گیا ہے اور باشعور قاری کو شروع سے آخر تک اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے۔ ہندی اور سنسکرت ذخیرہ الفاظ اور اس کے ہم آہنگ ماحول میں مصنف نے چند مناظر میں زیست کو نئے پہلو سے بیان کیا ہے۔

"اس کی بڑھوتری اسی جل میں ہوئی تھی۔
مگر اب اسے لگتا تھا وہ اور تھی اور جل اور۔
یہ کیسا یدھ تھا جو اُس کے اندر ہو رہا تھا۔
اُس نے لہروں کے ساز پر مدھ بات کو چھیڑا۔
یہ سُر پہلے اُسے شانت کرتا تھا اب تڑپانے لگا۔"(۱۶)

اس مدماتی، مدمتا، مدن مد کا کام رنس کی بنی بگھی (جس کے آگے بارہ بدلیاں جتی تھیں) کو پوتر جھر جھر کرتے جل پر دوڑاتا تھا۔ اور اس کے بعد کے مرحلے سرعت سے طے ہوتے ہیں، دو کنیاں دو بوندیں بنیں اور اس کی شانتی لٹ گئی۔ وہ سمندر کے سمان کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ سوچ آئی اور مدھو جیسا جل اگنی بن کر جلانے لگا۔ اس کی کلپنا ، ایک چت، یدھ، مدھ مات کے سر سے ملنے والی تڑپ اس کو اپنی بدھ کھونے پر مجبور کر دیتی ہے۔ اور وہ نیچے ڈابک کو دیکھ کر اسے قطرہ بنتی کنی سمجھی اور اپنی بگھی کی لگامیں اس کی طرف موڑ دیں اور انجام کار اب قطرہ قطرہ دامن بھگوتی ہے۔

ہندی ماحول کا عکاس، جل، اشنان، سندر، شانت اور بھتیر جیسے ہندی الفاظ کا ور تارا اور قرینہ تکرار لفظی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے جیسے:

"کہ۔۔۔وہ تھی۔۔۔۔اور۔۔۔۔جل تھا۔
جل تھا۔۔۔۔اور۔۔۔۔وہ تھی۔۔۔۔ایک کنی اس پر اتری۔
اتری اور قطرہ بن گئی
قطرہ بن گئی اور ٹھہر گئی"(۱۷)

حمید شاہد کی تراشیدہ مورت اس لطافت کی علامت ہے جو معصومیت اور بے بسی کی آمیزش سے تیار کیا گیا ہے۔ اس کہانی کے کردار کی شناخت اس کے صوتی آہنگ کی وجہ سے نسوانی قالب میں جاڈھلی ہے۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

مصنف نے "گرفت" میں، ماں سے بیٹی اور ایسے ہی ان گنت نسلوں سے نئی صورتوں اور نئے رشتوں میں بدلتی ہوئی ازلی عورت کی کتھا لکھی ہے جو اپنی کہانی اپنی زبان سے کہتی ہے۔ پہلے وہ اپنے پھسلنے کو بیان کرتی ہے اور اس عمل میں صرف دو ہی عامل ہیں۔ تیسرا تھا ہی نہیں اگر تھا بھی تو اس کو رگڑ رگڑ کر مٹا دیا گیا ہے۔

بے نام کردار وہی مخصوص انداز جو پچھلے کئی افسانوں میں دیکھ چکے ہیں۔ اور مختصر صفحہ در صفحہ بکھرے جملے جو شعور کی رو کی تکنیک کے تحت لکھے گئے ہیں۔ حال سے ماضی اور ماضی سے حال کے برق رفتار دھندلے سفر میں پھسلنے اور اس کے نتائج کے شاخسانے، لفظوں کے ریشمیں جال اور اس میں گرفتار ہونے والی آدھی لڑکی۔ جو آدھی زمین پر ہے اور آدھی زمین میں دفن ہے۔ پھسلنے کا خطرناک عمل اسے بدبودار پیپ اور گندے خون سے بھرا گومڑ دیتا ہے جبکہ اس کا ساتھی اس پھسلنے کے باوجود کشش ثقل سے آزاد ہوتا ہے اور وہ خود اپنے وجود کی پکڑ میں مبتلا جب پھسلتی ہے تو برگد کے درخت اور اپنے باپ کی پتھرائی شکل اور ماں کی بیوگی کو یاد کرتی ہے۔ ایسا ہی پتھر چہرہ اس کے ساتھی کا ہے۔ دونوں پھسلتے ہیں لیکن گومڑ صرف اس کا مقدر بنتا ہے جس کی پاداش میں پتھر چہرہ رکھنے والے لوگ اس کو دھکیلتے ہوئے شہر سے باہر لے جاتے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں پتھر تھے اور وہ بھی پھسلتے ہیں۔ لیکن چوٹ سے محفوظ رہتے ہیں۔ آدھی لڑکی ان سے بچنے کی کوشش میں اور اس تضاد پر قہقہے لگاتی اپنے دفن شدہ وجود کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ سماج کی اس المناک صورتحال پر حمید شاہد نے ایک ایسی فضا بن کر روشنی ڈالی ہے جو بظاہر تخیلاتی اور نفسیاتی معلوم ہوتی ہے لیکن کہیں نہ کہیں اس کے تانے بانے یلدرم کے خیالستان، خارستان سے جڑتے نظر آتے ہیں۔ یہ سماج کا جبر ہے جو مصنف کو کھل کر لکھنے نہیں دے رہا ہے؟ یا اس کی اپنی بزدلی و کم ہمتی ہے جو حقیقت پر علامت کی چادر ڈال دیتی ہے؟ پتھر چہرے، پھسلن، گرفت، گومڑ وغیرہ یہی علامتیں ہیں جو سفاک حقیقت کی عکاس ہیں۔

> "وہ کہتا ہے کہ چوٹ تو اُسے بھی آ سکتی ہے۔....
>
> "مگر میں جانتی ہوں وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اسے جھوٹا لکھنے کی میرے پاس ٹھوس دلیل ہے وہ یہ کہ ہم جب بھی پھسلنے کو ہوتے ہیں میرا رخ زمین کی طرف اور اس کا رخ آسمان کی بجائے میری جانب ہوتا ہے مگر ہر بار وہ پشت کے بل اوپر ہی کو اٹھتا ہے۔ عجب واقعہ ہے کہ وہ آسمان کو آنکھ بھر کر دیکھنے سے گریز کرتا ہے اور نظر مجھ پر ہی جمائے رکھتا ہے۔ جس روز

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

بھولے سے بھی اس کی نظر آسمان پر پڑ جائے اُس کے ہونٹوں پر لفظ پپڑی کی صورت جم جاتے ہیں۔"(۱۸)

اس افسانے میں مصنف نے ماحول اور منظر کشی پر گرفت رکھی ہے اور ماہر جراح کی طرح ایک عورت کے بیوہ ہونے پر بین کرنے، چوڑیاں توڑنے اور سینے میں دفن دکھوں کو سسکیوں سے چیخوں میں ڈھلنے دیا تھا۔ اس نے اپنے نشتر کا بڑی مشاقی سے استعمال کیا ہے۔ اور یتیم بچوں بالخصوص مردوں کے سماج کی علامتی انداز میں عکاسی کی ہے۔ گناہ کی دلدل میں اترنے کے لیے ضمیر کو چپ کرانا ضروری ہوتا ہے۔ شریک جرم بھی اکثر سنگسار کرنے والوں میں شامل ہوتے ہیں اور معاملہ اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ سنگسار کرنے والے خود بھی وہی فعل انجام دیتے ہیں جس کی سزا دینے نکلتے ہیں۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے۔۔۔ پتھر چہروں والے سارے مرد، کہ جن کے ہاتھوں میں بھی پتھر ہیں، پھسلنا شروع ہو گئے ہیں۔"(۱۹)

یہ کہانی اور اس کے علامتی عناصر صرف ظاہری علم کے نہیں بلکہ بصیرت کا بھی تقاضا کرتے ہیں تاکہ اس متن کی پرتوں میں چھپے ان گنت معنی سمجھے جا سکیں۔

"اس کہانی کے اندر جھانکنے کے لیے ظاہر کی آنکھ کافی نہیں اس کے لیے اندر کی روشنی کے انعکاس کی ضرورت ہے اور یہ کام ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق کر سکتا ہے البتہ مصنف نے خود اختلاف کرنے اور کھل کر اختلاف کرنے کی آزادی دے دی ہے۔"(۲۰)

حمید شاہد نے "ہار جیت" میں انتہائی مربوط اور سادہ انداز میں دیہی زندگی کی ایک سرگرمی "پہلوانی" کے گرد کہانی کا تانا بانا بنا ہے۔ یہ کہانی حقیقت نگاری کے چوکھٹے میں فٹ بیٹھتی ہے۔ اپنے پیاروں کی خاطر انسان کچھ بھی کر گزرتا ہے لیکن اپنوں کے اندر کیا چل رہا ہوتا ہے یہ جان لینے کے بعد ساری سرگرمیاں بے مصرف ٹھہرتی ہیں اور انسان اپنی جیت میں چھپی اصل شکست کو دیکھ لیتا ہے۔ سماجی حقیقت نگاری کی مثال یہ کہانی کہ فیروز خان اور اور شیر خان کے بارے میں ہے۔ شادی شدہ اور گھر بار کی ساری ذمہ داریاں اٹھانے والا بڑا بھائی شیر خان ہے جو بے اولاد ہے۔ فیروز خان پہلوانی کے داؤ پیچ سے زیبو کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ افسانہ اور پارو آپس میں کئی مشترک عناصر رکھتا ہے، پہلوانوں کے اکھاڑے میں مردوں کو مات دینا ہی اصل فتح نہیں بلکہ گاؤں کی سب سے حسین لڑکی کو

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

حاصل کرنا اصل مردانگی ہے۔زیبو کا باپ بھی خانو سے اپنی بیٹی کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن فیروز خان خانو کو پچھاڑ کر اپنی جیت پر ابھی نازاں ہو نہیں پاتا کہ شیر خان اس سے کہتا ہے۔

"تم اکیلے پنڈ سُر گاں جاؤ اور ایک نہایت اہم بات میں تم سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ چراغ دین اکھاڑے میں جیتنے والوں کی بہت قدر کرتا ہے۔ تم میرے لئے زیبو کے رشتے کی بات ضرور کرنا میں چاہتا ہوں مجھے اولاد کے لئے اب دوسری شادی کر ہی لینی چاہیے۔"

فیروز خان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی وہ بڑبڑایا -

"زیبو"

شیر خان نے کہا"ہاں بھئی زیبو چراغ دین کی بیٹی میری تو کب سے خواہش تھی تم اکھاڑے میں خانو کو مات دو کہ ماسٹر چراغ دین پروں پر پانی ہی نہیں پڑنے دیتا۔"

فیروز خان چکرا کر گرا اسے لگا جیسے وہ چاروں شانے چت اکھاڑے میں پڑا تھا اور کوئی اُس کی چھاتی پر گھٹنے گاڑے للکارے مار رہا تھا۔"(۲۱)

حمید شاہد نے اپنی تحریر کو مذہبی عناصر سے بھی مالا مال رکھا ہے۔جب فیروز کو پتہ چلا کہ اس بار گندم اٹھنے پر زیبو کی شادی خانو سے ہو جائے گی تو انتقام نے اس کی عقل پر پردے ڈال دیے اور وہ خانو کو قتل کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

"اُس نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے مگر گونج اُس کے اندر وجود کی دیواروں سے ٹکرانے لگی ۔دفعتاً" ایک ایسا جملہ جو وہ بچپن سے سنتا چلا آیا تھا، سرگوشی کی طرح اُس کے اندر سرسرایا۔ایک بے گناہ شخص کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہوتا ہے"(۲۲)

اس نے،سیلاب آنے، آندھی چلنے،اور فصل برباد ہونے کی دعائیں بھی مانگیں۔

" نہ جانے وہ کیا کچھ دعاؤں میں مانگتا رہا حتیٰ کہ چپکے سے شرمندگی اس کی دعاؤں پر غالب آنے لگی اور وہ اپنی دعاؤں پر پچھتانے لگا۔میں کتنا خود غرض ہوں دوسروں کے لئے عذاب طلب کر رہا ہوں۔توبہ توبہ" اس نے سنا تھا کسی کو بد دعا دینے سے اپنے دل کی زرخیز زمین بنجر ہو جاتی ہے اور دل کی زمین بنجر ہو تو محبت کی فصل نہیں اگ سکتی۔اُس نے اپنے دل

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

کوٹھولا۔اس کا دل تو محبتوں کا خزینہ تھا۔ خانو کے لئے وہ پہلی نفرت تھی جس نے اُسے تلپٹ
کر کے رکھ دیا تھا۔"خدا نہ کرے کہ دل سے محبتیں رخصت ہو جائیں۔وہ بڑبڑایا۔"(۲۳)

بحیثیت مجموعی اس افسانے میں زیبو اور فیروز کے درمیان پیار پروان چڑھنے کے مراحل بہت خوبصورتی سے بیان کئے گئے ہیں۔اور جب زیبو کے چھن جانے کا دھڑکا لگا تو فیروز خان کی اشتعال میں آنے کی نفسیاتی کیفیت کی منظر کشی عمدگی سے کی گئی ہے۔دیہی ماحول میں اس افسانے کو ڈرامائی موڑ اس وقت ملا جب فیروز کو پتہ چلتا ہے کہ شیر خان بھی زیبو کی طلب کے لیے اسے خانو کو پچھاڑنے کا کہہ رہا تھا۔

"جنم جہنم" میں تین لازمی چیزیں ہیں۔ منظر، فاصلہ اور نظارہ۔ہر نظر منظر چاہتی ہے لیکن حیرت، بصیرت اور بصارت کے بیچ خلا بنتی ہے اور یوں حقیقت کا ادراک بن جاتی ہے۔وفا سے بے وفائی تک کے مرحلے میں بہت سے نازک مقام آئے۔جس میں ناظر معروض کی بجائے معدوم کا اثبات کرنے لگا تو ہستی نیستی میں بدل گئی۔کہانی کا تعارف اور تانا بانا شوہر، بیوی اور عاشق کی مثلث کے گرد بنا گیا ہے۔ شوہر کی موت کے بعد عاشق کی آنکھوں میں ہر جائی پن کا منظر دیکھ کر وہ عاشق کے منہ پر تھوک دیتی ہے۔کیونکہ وہ عاشق کے سامنے موجود تھی لیکن اس کی آنکھیں تخیل میں اپنی بیوی کو دیکھ رہی تھیں جس نے تخلیق کا دکھ سہہ کر اسے صاحب اولاد کر دیا تھا ۔اور جسے وہ مُودر مُوخلیہ در خلیہ دیکھتا آیا تھا لیکن وہ دیکھے جانے کی طلب سے غنی تھی۔دوسری سامنے تھی اور نظر کی طلب میں مری جارہی تھی۔موازنہ ہوتے ہی فیصلہ ہو گیا۔منظر بنی بیٹھی کو اپنا شوہر یاد آیا۔مخمصے سے نیستی کا سفر طے ہوا۔وہ کبھی اپنے شوہر کے لیے نظارہ تھی تو اب اپنے عاشق کے لیے۔لیکن عاشق کی نظر اپنی بیوی کو دیکھ رہی تھی تخیل میں۔اپنے وجود کی کسی کی نظر میں سما جانے کی خواہش پر لعنت بھیجتے ہوئے اس نے عاشق پر دوبارہ تھوک دیا اور کہا۔

"عذاب کسی بھی دوسرے وجود کا نام ہے۔۔۔۔۔۔۔۔یہ عذاب میرے لیے پہلے وہ تھا
اور کچھ لمحے پہلے تک تم تھے۔۔۔۔میں اس جہنم پر لعنت بھیجتی ہوں۔"(۲۴)

شوہر کے ہاتھوں ملنے والی ناآسودگی نے اس کی نفسانی خواہشات کو عذاب کی منزل پر لا کھڑا کیا اور نظارہ بننے کی خواہش نے اس کو جہنم کی حقیقت بتادی۔اس ادراک کے ہوتے ہی اس نے ناظر بننے کی تمنا ترک کی اور اس جہنم پر لعنت بھیجتے ہوئے زیست کی نئی راہیں تلاش کیں۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

چند صفحات میں افسانہ نگار نے وجودیت کے فلسفہ کو مجسم کر دیا، لیکن تجریدیت اور لایعنیت کی دیواروں سے کسی روزن سے در آنے والی حقیقت اور معنویت باشعور قاری کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ یہ مکمل افسانہ ہی ایک علامت نگاری کا مضبوط نظام اپنے دامن میں سموئے ہوئے ہے جس میں مصنف نے کفایت لفظی سے بے نام کرداروں کو دھندلکے میں رکھ کر عصر حاضر کے انسان کا المیہ بیان کر دیا ہے۔ اس افسانے کو قاری کی نظر سے دیکھنا چاہیے کیوں کہ اس افسانے کی ایبسرڈٹی جتنے مفاہیم رکھتی ہے وہ ڈریڈا کی اس بیانیے سے لگا کھاتی ہے کہ There is "no fixed meaning of any word"۔

"ڈریڈا کا "ردتشکیلیت" کا نظریہ خاصا پیچیدہ اور الجھا ہوا ہے۔ لہٰذا اس کی حتمی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ یہ ایک مبہم فلسفیانہ اصطلاح ہے۔ یہ جزوی طور پر نئی تشریحات کے ذریعے پرانے متن نئی زندگی تلاش کی جاتی ہے اور نئے تناظر میں متنوں کے پوشیدہ رموز کی نئے معنی، نئی تشریحات اور تفہیمات تلاش کی جاتی ہیں۔ وہ معنی، پس معنی اور معنی در معنی کو الٹا کر رد معنی میں تبدیل کر دیتا ہے۔"(۲۵)

لفظ سے نیا لفظ اور بات سے بات نکالنے کی نئی تکنیک سے اس افسانے کی بنت کاری ہوئی ہے بات بھی وہ جو مربوط ہے، جو کہانی کو نہاں رکھتے ہوئے عیاں بھی کر رہی ہے اور یہاں عادی لفظ کو لے کر خوبصورت بات بیان کی گئی ہے۔

"یہ جو کسی کا عادی ہو جانا ہے نا یہ خود بخود دوسروں کو ناکارہ بنا دیتا ہے۔۔۔ جس کا وہ عادی ہو جائے وہ نہ رہے تو کچھ دکھائی نہیں دیتا۔"(۲۶)

"اور منظر نے خود کو ناظر کی نظر میں معدوم ہوتے دیکھ لیا تھا۔۔ گویا اب وہاں اس کی ہستی نیستی کے مترادف تھی"(۲۷)

"عذاب کسی بھی دوسرے وجود کا نام ہے۔"(۲۸)

"میں اس جہنم پر لعنت بھیجتی ہوں"(۲۹)

اور افسانے کے پہلے حصے میں ان لوگوں کے جنم کو جہنم گردانا گیا ہے جو دیکھے اور دیکھے جانے کی اشتہا اور جنس کی ہوس رکھتے ہیں۔

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

دوسرے حصے میں نہایت خوبصورتی کے ساتھ مصنف نے پہلے حصے کو وسیع کر دیا ہے۔زیست کی نئ شاہرہ پر نکل جانے والی بے نام ہستی ماضی کی یادوں سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی۔یادیں جو "بلی" کی طرح ہیں دھتکارو، مارو، نکال دو پھر پلٹ آتی ہیں۔بلی، گرگٹ اور جونکیں یادوں اور دھیان کو بیان کرنے کے لیے تشبیہات استعمال کی گئ ہیں۔یہ بھی بے راہروی کے شاخسانے کی علامتیں ہیں جو ہمارے اجتماعی لاشعور کا حصہ ہیں اس لیے ہماری تحریروں میں در آتی ہیں۔زیست کی شاہراہ پر پامالی اس کا مقدر ٹھہری۔جسے وہ لذت یا نشے کی طرح کشید کرتی رہی۔نشہ جس کا حاصل زندگی کی نفی ہے۔کیونکہ لذت کی یکسانیت اس کے نشے کو نگل گئی اور ژونگ کی طرح اس نے بھی سوچا کہ خواب ناآسودہ خواہشات کا عکس ہیں۔اسے سراب اور حقیقت میں کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا۔اس نے اپنے وجود سے اداسی کی سوئیاں نکال پھینکیں اور گرد جھاڑ دی۔پس وہ اپنے وجود کی محبت میں مبتلا آگے بڑھتی گئ۔ اس کے ہونٹ

"ابھی تک رس بھرے تھے۔ قوسوں کو دیکھا. ندرت تھی۔بدن مولا مدھ بھرا تھا۔
بازوں کو جانچا...وارفتگی تھی۔
جب تک رس رہا...
ندرت رہی ...
مدھ رہا---
دارفتگی رہی......وہ جو بھی آتا سمٹاتی رہی اور آگے ہی آگے بڑھتی رہی۔
آگے------------
آگے------------
آگے------------"(۳۰)

لیکن اس کے سفر کا کہیں انت ہی نہ تھا کہ ہر انت ایک آغاز کے ساتھ جڑا تھا۔اور اپنے محور پر گھومتے ہوئے سکوت اور حرکت کا فرق مٹ گیا۔اور پامالی کے سلسلے طویل ہوتے گئے تو پچھتاوؤں نے آلیا تو اس نے جانا کہ زیست بھی بس لعنت ہی ہے۔یہ پر فریب اور حکیمانہ کہانی فلسفہ لذتیت کی گرہیں کھول کر رکھ دیتی ہے۔یہ علامتی جملے باہم اتنے مربوط ہیں گویا ایک زرخیز تنے سے لاتعداد شاخیں اور بے شمار جڑیں پھوٹ رہی ہوں۔

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

اگلے حصے میں وہ لکھتے ہیں کہاور وہ جس پر تھوک کر آئی تھی اس نے نظارہ کھو دیا تھا اور خالی پن کی وحشت میں اس نے خود کو اچھالی ہوئی مٹی کی طرح جانا اور حقیقت کی کھوج کی تو وہ شونیتا (صفر، عدم وجودیت، خالی پن نکلی) اور کلی حقیقت کا مطلب "نجات" اور زیست کی سرگرمیوں کو ایک زینہ جانا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر خود سے آگہی نہ ہوئی تو اسی دیکھنے کی قوت کی اسیری مقدر بنے گی۔

"یہ جو میں ہوں نا! یہ میں اس لئے ہوں کہ میں تو نہیں ہے۔ اور یہ جو تو ہے نا تو اس لئے ہے
کہ تو میں نہیں۔
جب تجھ سے دوسرے سارے نفی ہو جائیں گے تو فقط تو ہو گا۔۔۔ تب
آئند کی کھلی بانہیں تمہیں آغوش میں لے لیں گی۔"
آنند؟ ....
ہاں آنند اور یہ جو آنند ہو تا ہے نا یہیر س ہے اور
یہ جو رس ہو تا ہے نا یہی آنند ہے۔"(۳۱)

صرف اپنے وجود کی آگہی ہی سچی خوشی اور بہجت دیتی جب من اور تو کا فرق مٹ جائے تو ہی سرخوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس نے نظارہ بننے کی خواہش رکھنے والی اور منظر بننے کی خواہش سے وراءالورا ہستی دونوں کا تقابل کیا۔ دوسری نے بتایا "تم نے میری تکفیر کی اور میں خود کو بھول گئی۔۔۔ اور میں خود کو بھول گئی۔ اور نیستی کے احساس نے ہی گناہوں سے دور کر دیا۔ اس نے اسے بتایا زندگی کی جو بھی خواہشیں ہیں سب لعنت ہی لعنت ہیں۔ یہ جانتے ہی ناظر نے اپنے وجود سے جہنم کے شعلے بجھانے کے لیے اپنے منہ پر تھپڑ مارے اور منظر بننے کی خواہش سے وراءالورا ہستی نے اس کو پیار کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ اورآنکھ میں گرنے، بھیگنے، بہنے اور ڈوبنے میں اس کے اندر اس کی ہستی اتر آئی۔ تب اس نے جانا کہ لعنت کی کٹاری کی تیز دھار بالآخر بندے کا مقدر ہے۔ گویا گناہ کی گرداب میں پھنس جانا ہی ہر نفس کا مقدر ہے۔ معنویت، علامتیت، تلازم، تجرید کے عناصر سے گندھی یہ تین حصوں پر مشتمل کہانی تفکر تدبر معارف اور گہرے حقائق پر مبنی ہے۔

"دوسرا آدمی" افسانہ میں عاطف نامی مسافر وین میں سوار ہو کر ماڈل ٹاؤن کے لیے روانہ ہوتا ہے۔ اور راستے میں اس کی ملاقات ایک اور شخص سے ہوئی جس کا نام ہاشم تھا۔ سارا راستہ وہ شخص زوال پذیر معاشرتی قدروں کی نوحہ گری کرتا رہا۔ باتوں ہی باتوں میں اپنی بیوی اور اس کی پڑوسن سمیرا اور اس کے شوہر کے بارے میں بتا دیا اس

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35
ماخذ تحقیقی مجلہ

کی باتوں سے قارئین کو اس کی بیوی کی امید سے ہونے کے بارے میں بھی جاننے کا موقع ملا دوسرا آدمی ایک ایسا افسانہ ہے۔ جو مصنف کے خارجی مشاہدے اور تجربے پر مبنی ہے۔ یہ افسانہ بھی حمید شاہد کے متعدد افسانوں کی طرز پر واحد متکلم کے صیغہ میں لکھا گیا ہے۔ عاطف نامی کردار جو ایک سرکاری ملازم ہے اور اپنے دفتر سے دور رہائش پذیر ہے جس کی وجہ سے وہ دفتر آنے جانے کے لئے پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتا ہے۔ لیکن وہ ایک ایسا شخص ہے جسے سفر میں کسی کے ساتھ فضول بولنا ناگوار گزرتا ہے۔ لیکن اس کا ہمسفر شومئ قسمت سے انتہائی باتونی واقع ہوا ہے۔ وہ شخص عاطف سے معاشرے میں پنپتی، بے راہ روی، اخلاقی قدروں کی زوال پذیری، اجنبیت، خود غرضی اور جرائم پر سیر حاصل گفتگو کرتا ہے۔ اور عاطف اپنے آپ کو ہی مجرم سمجھتے ہوئے شرمندہ ہو جاتا ہے اسے لگتا ہے کہ اس کا ہم سفر اس کی ہی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اسی خفت کو مٹانے کے لیے عاطف ماڈل ٹاؤن کے سٹاپ پر اتر تا ہے تو اس سے الوداعی مصافحے کے لیے ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ شخص اس کو بُری طرح نظر انداز کرتے ہوئے چلا جاتا ہے۔ قول اور فعل کے تضاد کو مصنف نے انتہائی چابک دستی سے واضح کیا ہے۔ دوسرا آدمی اپنے نفسیاتی تضادات کے ساتھ کھل کر سامنے آتا ہے تو قاری بھی اس غیر متوقع اور ڈرامائی اختتام پر یوں بوکھلا تا ہے گویا اس کے اندر کا چور بھی پکڑا گیا ہو۔ زندگی کی مادہ پرست ہماہمی انسانی روابط کو مٹاتی جارہی ہے اور معاشرے کے تمام افراد انسانی روابط کی چاشنی سے محروم سرگرداں ہیں۔ ہاشم اسی طرح حالات اور انسانی رویوں کی سرد مہری پر تنقید کرتے کرتے کہتا ہے۔

"۔۔۔ آپ ان کی نظر میں عاطف نہیں، نہ ہی میں ان کی نظر میں ہاشم ہوں۔۔۔۔ ہم محض کرنسی نوٹ۔۔۔ ہیں۔۔۔ اور یہ جو میرے اور آپ کے منہ پر کان ناک اور ہونٹ ہیں نا! یہ فقط نوٹ پر چھپے نقش و نگار۔۔۔ ہیں۔۔۔۔"(۳۲)

اس افسانے میں حقیقت نگاری کے لیے حمید شاہد نے سادگی، روانی اور تسلسل سے کہانی کو بیان کیا ہے جو بغیر کسی جھول کے وحدت تاثر کو قائم کرتے ہوئے لکھی گئی ہے۔

"نئی الیکٹرا" ایک ایسا علامتی افسانہ ہے جس میں مصنف نے انتہائی مہارت سے عالمی فکشن کے کرداروں کو جو تاریخ کے صفحات میں رقم ہیں۔ اس عہد میں ایک ہی کردار میں یکجا کر کے نیا روپ دیا ہے۔ مصنف نے نسوانی کردار کو علامت بنا کر اس حقیقت کو طشت از بام کیا ہے کہ عورت کسی بھی زمانے کی ہو اپنے حسن اور اداؤں سے مرد کو تسخیر کر لیتی ہے۔ یہ ہوس پرست حسینائیں دل کو مٹھی میں کرنے کے تمام گر جانتی ہیں۔ مصنف نے شعوری طور پر

ماخذ تحقیقی مجلہ
ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

قاری کو اپنے وسیع مطالعے سے مرعوب کرنے کے لیے مختلف کرداروں کے حوالے دیے ہیں۔اور نئی الیکٹرا کی کہانی کو بیان کرنے کے لیے معروف افسانوی کرداروں۔۔یوری پیڈیز،ایگمنان، لیسئس،ایجس تھیس،راجہ وشینٹ ،الیکٹرا،کلائیمنسٹرا،فیدرا،ایلیشیا،شکنتلا،مرجینا اور بوڑھا گوریو کو کٹھ پتلی کی طرح استعمال کیا ہے۔

مصنف نے اس نئی الیکٹرا کو ایلیشیا سے مماثلت دی ہے کیوں کہ دونوں نے حاملہ ہونے کی بات کی تھی۔ یوں اس فتنہ پرور نے انتہائی ڈھونگ رچا رکھے ہیں اور کتنوں کو اپنے فریب سے بے وقوف بنا کر اپنے حسن کے جادوئی چراغ سے دولت اکٹھی کی تھی۔گھر بدری اور ایگمنان کا قتل بھی مشترک عناصر ہیں۔معصیت پر اس نے معصومیت کا خول چڑھا رکھا ہے جو اس سے واقف ہیں یا جو واقف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یا جو ناواقف ہیں۔سب اس کی زلف کے اسیر ہیں وہ کہتی ہے میں الیکٹرا ہوں اور مصنف تکرار یہ جملوں میں (جو اس کی انتہائی فراوانی سے استعمال ہونے والی تکنیک ہے)بتاتا ہے کہ وہ کلائیمنسٹرا ہے۔لوگ اس کو چھنال،دغاباز اور فریبی گردانتے ہوئے بھی اس پر بالزاک کے بوڑھے گوریو کی طرح سب کچھ لٹاتے ہیں۔وہ گھر بدری کا،حاملہ ہونے کا،معصوم ہونے کا ڈھونگ اتنی مہارت سے انجام دیتی ہے کہ سب کی عقل پر پردے پڑ جاتے ہیں۔

سامراجیت پرانی ہو یا نئی ہر حال میں تیسری دنیا اور سامراج کے ہاتھوں پستے ہوئے لوگ کے حقوق پر ڈاکہ ہی ڈالنا اس کا مطمع نگاہ ہوتا ہے۔ نئی اور پرانی الیکٹرا سامراج کے لیے علامتیں بن کر سامنے آتی ہیں اور جس طرح وہ نو آبادیات پر اپنے پنجے گاڑ کر رکھتے ہیں۔اسی طرح یہ بھی دل فریب جال بن کر ان کو انگلیوں پر نچاتی ہیں ۔اور حکمران ان کے اشاروں پر چلتے ہیں اور عوام کا خون چوستے ہیں۔اور لوگوں کی رائے کو منقسم کر کے ان پر حکومت کرنا ان کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔اس صورتحال کی انتہائی دلکش انداز میں تصویر کشی کی گئی ہے۔

> "یہ ادھر ہیں نہ اُدھر۔ان میں سے ایک کہتا ہے۔وہ کالی داس کی شکنتلا ہے۔ایسی شکنتلا جسے کوئی راجہ دشینت نہیں ملا۔وہ جو خود کو راجہ دشینت سمجھتا ہے اُس کے ہاتھ میں کوئی انگوٹھی نہیں ہے۔خود کو راجہ دشینت کہنے والا دعوی کرتا ہے۔اس کی انگوٹھی مچھلی کے پیٹ میں ہے۔وہ لوگ جو نہ اَدھر ہیں نہ اُدھر اُن میں سے ایک اور کہتا ہے۔۔۔یہی دعویٰ اُسکے راجہ دشینت نہ ہونے کا ثبوت ہے۔وہ مزید کہتا ہے۔نہ تو مدعی راجہ دشینت ہے نہ اُس کے بازوؤں میں بازو ڈالنے والی شکنتلا ہے. وہ تو بسرا سین کی فیدرا جیسی ہے۔جو انی حسن اور

ISSN (P): 2709-9636 | ISSN (O): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

جذبات سے بھری ہوئی۔ جو جذبات سے آگ بھڑکاتی ہے اور سب کو راکھ بنا ڈالتی ہے۔ دو لوگ جو ادھر ہیں نہ اُدھر ان میں سے تیسرا کہتا ہے۔ "(۳۳)

نئی الیکٹرا" کا علامتی نظام صرف یہیں تک محدود نہیں ہے ہر قاری اس کو پڑھ کر اپنے انداز سے اس کی تفہیم کرے گا۔ کیونکہ اس میں معنی کا ایک جہاں پوشیدہ ہے۔

حمید شاہد نے افسانہ "واپسی" کے ذریعے ہمارے اخلاقی زوال کو موضوع بنایا ہے۔ اولاد پر والدین ہمیشہ جان چھڑکتے آئے ہیں اور اس مادہ پرست دور میں اولاد والدین کو دھوکہ دے کر ان کی زندگی بھر کی جمع پونجی بھی سمیٹ کر لے جاتی ہے۔ یہ افسانہ ایک بینکار اور اس کی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے گرد گھومتا ہے۔ جو انتہائی مشاق اور لگن سے اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ اور اس ضمن میں وہ اپنے والد کے خط کو بھی کھول کر نہیں پڑھتا اور لفافے سے خط کا مفہوم بھانپ لیتا ہے کہ باپ نے اسے آنے کا کہا ہو گا۔ وہ سرکل آفیسر کے ساتھ وارنٹ گرفتاری لیے ایک کیس کے سلسلے میں ایک ایسے گھر میں جا پہنچتا ہے۔ جہاں دو ضعیف العمر میاں بیوی کسمپرسی کے عالم میں رہ رہے ہیں۔ اپاہج فضل احمد کا بیٹا ڈاکٹر شہباز فضل بنک سے قرض لے کر اور عمارت کو ٹھیکے پر دے کر بیرون ملک فرار ہو گیا ہے۔ وہاں پہنچ کر فضل احمد کی دگرگوں حالت اس کو دکھی کر دیتی ہے اور وہ وارنٹ کو فائل میں ہی رہنے دیتا ہے۔ اور بوڑھے کو بتایا کہ اپنے بیٹے کو آگاہ کر دے کہ واجبات کی عدم ادائیگی کی صورت میں مکان اور اس کی جائیداد سب نیلام ہو جائے گا۔ اس پر بوڑھے نے بیٹے کو کوسنا شروع کر دیا تو ماں نے تڑپ کر اس کو منع کر دیا۔

"مریاں پہلی مرتبہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔ نہ دے نہ دے بد دعا میں اپنا خون ہے اپنے کلیجہ دعا کر خدا اسے سکھی رکھے جہاں رہے اللہ للہ کی امان میں رہے۔ ہمارا کیا ہے۔ ہم تو قبر میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج ہیں تو ہیں۔ کل نہیں ہوں گے "(۳۴)

کہانی ایک دردناک موڑ لیتی ہے اور ماں جل مرتی ہے، شہباز یہ سن کر وطن آتا ہے تو بینکار اس کو گرفتار کرنے پہنچ جاتا ہے۔ لیکن باپ اپنی ناطاقتی کے باوجود اس گرفتاری کو روکنے کی کوشش کرتا ہے اور گر پڑتا ہے وہ واپس پلٹ آتا ہے اور اپنے باپ کے خط کو کئی بار پڑھ ڈالتا ہے اور ایک طویل عرصے کے بعد ویک اینڈ گزارنے گاؤں جاتا ہے۔

یہ افسانہ آغاز، ارتقا اور انجام تک دل پذیر واقعات کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ اس کے تانے بانے جذباتی واقعات، انسانی جذبوں، نازک احساسات اور رشتوں کی اہمیت سے بنے ہوئے ہیں۔ کہانی کا آغاز بھی خط سے اور اختتام بھی خط پر ہوتا ہے۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

مجموعی جائزہ:

اس مجموعے میں ،"گرفت" ،"ماخوذ تاثر کی کہانی" ،"نرمل نیر"،"جنم جہنم "کے تین حصے اور" نئی الیکٹرا" علامتی افسانے ہیں اور فلسفہ حیات پر مبنی ہیں۔" تماش بین"،"دوسرا آدمی" اور "واپسی" کا موضوع شہری زندگی کی مادہ پرستی اور ہماہمی ہے جس کے نتیجے میں اخلاقی قدروں کو روبہ زوال دکھایا گیا ہے۔پارو، منجھلی اور ہار جیت دیہی پس منظر میں لکھی گئی کہانیاں ہیں ان کا سہل اور رواں اسلوب ان کی اصل خوبصورتی ہے۔"نئی الیکٹرا"،"نرمل نیر" ،اور" جنم جہنم –"۳ میں سنسکرت اور ہندی الفاظ سے دیو مالائی طرز کو ڈھالا گیا ہے۔ان کے کئی افسانوں میں کردار بے نام اور مجموعی فضا دھندلی ہے۔،"گرفت"،"نئی الیکٹرا"،"جنم جہنم "اور "نرمل نیر "میں فلسفہ زیست سے پردے اٹھانے کی کوشش کی گئی ہے۔تکنیک میں وہ شعور کی رو سے کام لیتے ہیں۔ کہیں سوال پوچھتے ہیں۔اور اس کے جواب میں بات سے بات نکلتی ہے ۔کئی موقعوں پر تکرار سے اپنا نکتہ نظر بیان کرتے ہیں۔ان کی کہانیاں بعض اوقات نظمیں لگتی ہیں ۔اور اس مجموعے میں بطور خاص رموز او قاف کا التزام اس کی قدر میں اضافہ کر دیتا ہے ۔افسانوں کے موضوع،(مذہبی،فلسفیانہ،لسانی،سماجی،معاشی،ثقافتی عناصر)اور تکنیک کے تنوع کی وجہ سے قرین قیاس یہی ہے کہ مجموعہ قارئین کے تمام حلقوں میں آنے والے عہد میں بھی سراہا جائے گا۔

حوالہ جات

۱. https://www.facebook.com/permalink.php/?story_fbid=2522162111369217&id=1719592714959498 بوقت:4:00A.M بتاریخ۱۴نومبر۲۰۲۴

۲. Ibid

۳. محمد حمید شاہد، جنم جہنم، اے آر پرنٹرز، اسلام آباد، ۱۹۹۸ء، ص۷

۴. ایضاً ص۱٦

۵. ایضاً ص۲۳-۲۴

٦. گوپی چند نارنگ، قاری اساس تنقید مظہریت اور قاری کی واپسی، ایجوکیشنل بک ہاؤس ۱۹۹۲' علی گڑھ، ء صفحہ ۱۸

۷. ایضاً ص۱۹

۸. محمد حمید شاہد، جنم جہنم، ص ۳۲

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

۹. ایضاً ص ۵۰
۱۰. ایضاً ص ۴۷
۱۱. ایضاً ص ۵۲
۱۲. ایضاً ص ۶۳
۱۳. ایضاً ص ۶۴
۱۴. ایضاً ص ۶۶
۱۵. خال و خد Shahid |
۱۶. جنم جہنم، ص ۳۷
۱۷. ایضاً ص ۷۲
۱۸. ایضاً ص ۷۸
۱۹. ایضاً ص ۸۲
۲۰. زوار طالب
۲۱. جنم جہنم، ص ۱۰۰
۲۲. ایضاً ص ۹۰
۲۳. ایضاً ص ۹۲
۲۴. ایضاً ص ۱۱۱
۲۵. احمد سہیل -:: دریدا اور ردتشکیلات، ایک مختصر فکری تعارف Facebook | بوقت: 6:00pm بتاریخ: ۱۴ نومبر ۲۰۲۴
۲۶. جنم جہنم، ص ۱۰۴
۲۷. ایضاً ص ۱۰۰
۲۸. ایضاً ص ۱۱۱
۲۹. ایضاً ص ۱۱۱
۳۰. ایضاً ص ۱۱۶

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 6, Issue 1, (Jan to March 2025)
https://doi.org/10.47205/makhz.2025(6-I)urdu-35

۳۱. ایضاً ص ۱۲۰

۳۲. ایضاً ص ۱۲۷

۳۳. ایضاً ص ۱۳۶

۳۴. ایضاً ص ۱۴۹